طلبائے علم کے لئے خصوصی مقالہ

طلب علم بطلب صادق

مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی

خطیب بغدادی اپنی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ ادیب مشہور ابوعمر وزاہد، قاضی محمد کے صاحبزادے کوادب کی تعلیم دیتے تھے ایک روزانہوں نے اپنے شاگرد کولغت کے تیس مسئلے اوران کے آخر میں دوشعر لکھوائے اتفاقاً اسی دن عہد مذکور کے تین استاد کامل ابن درید۔ابن انباری اورابوبکر۔قاضی ممدوح سے ملنے آئے (کثرت بیان کی وجہ سے بعض لوگ ابوعمرو کی نسبت یہ بدگمانی کرنے لگے تھے کہ وہ بہت سی باتیں طبع زاد بھی کہہ دیتے ہیں لہٰذا قاضی صاحب نے وہ مسائل علمائے موصوف کی خدمت میں پیش کئے اوران کی تنقیح چاہی۔ایک علامہ وقت کے مسائل پررائے زنی کرنا پوری ذمہ داری کا کام تھا۔ابن انباری اورابوبکرتواپنے مشاغل کاعذرکرکے خاموش ہورہے۔ابن درید نے بیساختہ کہاکہ ان مسائل کی لغت میں کوئی اصل نہیں ۔سب ابوعمرو کے گھڑے ہوئے ہیں ابوعمرو کوخبر پہنچی توقاضی صاحب سے کہلابھیجا کہ اپنے کتاب خانے میں سے فلاں فلاں شعرائے عرب کے دیوان نکلوادیجئے۔چنانچہ وہ سب دیوان نکالے گئے ابوعمرونے ایک ایک مسئلہ لے کراس کے شواہدان دیوانوں سے نکال نکال کرقاضی صاحب کودکھلانے شروع کئے اوراس طرح تیسوں مسئلے اہل زبان کے کلام سے ثابت کردیئے۔دوشعر جواخیر میں لکھوادیئے ان کی نسبت کہا کہ میرے استاد ثعلب نے فلاں روزآپ کے سامنے پڑھے تھے اورآپ نے فلاں کتاب کی پشت پرلکھ لئے ہیں۔جب وہ کتاب دیکھی گئی توفی الواقع وہ شعراس پرثبت تھے۔ابن درید نے اس حال کوسن کرپھر کبھی کوئی لفظ ابوعمرو کی نسبت زبان سے نہیں نکالا[۱]۔

متنبی شاعرمشہور سے ابوعلی فارسی امام نحونے ایک بارپوچھا کہ فعلی کے وزن پرعربی زبان میں کتنے اسم جمع آئے ہیں۔متنبی نے بے تامل کہا حجلےاورظربی۔ابوعلی نے تین شب متواتر لغت کی کتابیں چھانیں مگرتیسرا اسم جمع ان کواس وزن کا نہ ملا[۲]۔

☆اذا اصبحت فلا تنتظر المساء وعش فی حدود الیوم واجمع همك لا صلاح یومك.☆

جب حسن ابن سہل وزیر خلیفہ مامون الرشید عراق میں آیاتو اس نے علمائے ادب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔حسب ایماء اصمعی ،ابوعبیدہ اورابوبکر نحوی بارگاہ وزارت میں حاضر ہوئے۔ان سے مخاطب ہونے سے پیشتر وزیر نے ان عرائض پر دستخط کئے جو اہل حاجت نے پیش کی تھیں۔جب ان عرضیوں پر جو شمار میں پچاس تھیں دستخط کر چکا تو علمائے ممدوح کی طرف متوجہ ہوکر معذرت کی اور سلسلہ کلام شروع کیا۔اثنائے کلام میں ان بزرگان گزشتہ کا ذکرہوا۔جن کی قوت حافظہ مشہور تھی اور امام زہری ؒ اور قتادہ ؒ کا ذکر ہونے لگا ابوعبیدہ نے کہا حدیث زندہ گویم مردہ درگور اس وقت یہاں ایسا شخص موجود ہے کہ کبھی کتاب کو ایک بار پڑھ کر دوبارہ دیکھنے کی اس کو حاجت نہیں ہوئی اور جو بات ایک دفعہ اس کے خزانہ حافظہ میں پہنچ گئی پھر نہیں نکلی یہ سنکر اصمعی نے جسارت کر کے کہا کہ یہ میری طرف اشارہ کرتے ہیں۔ان کے دعوے کو میں اس طرح ثابت کرسکتا ہوں کہ وزارت مآب نے جس قدر عرائض پر اس وقت دستخط فرمائے ہیں ان سب کا خلاصہ مضمون اور دستخطوں کی اصل عبارت سنادوں۔وزیر کے حکم سے کل عرضیاں واپس آ کر پیش ہوئیں۔اصمعی نے بیان شروع کیا کہ فلاں عرضی کے پیش کنندہ کا یہ نام ہے اور یہ کام اور یہ دستخط اس پر ہوئے اسی طرح وہ نادرہ روزگار بیان کرتا گیا۔جب کچھ اوپر چالیس عرضیوں کی نوبت پہنچی تو حاضرین میں سے ابونصر نے کہا کہ اصمعی خدا کے لئے اپنی جان پر رحم کرو کہیں نظر نہ لگ جائے یہ سن کر وہ چہکتا ہوا بلبل خاموش ہوگیا۔[۳]

امام ابوسعد کو ساری صحیح مسلم۔حافظ ابوالحسین اصفہانی کو صحیح بخاری وصحیح مسلم اور امام تقی الدین بعلبکی کو الجمع بین الصحیحین صحیح اور اکثر مسند امام احمد برزبان تھی۔امام آخر الذکر ایک ہفتے میں ستر حدیثیں حفظ کر لیتے تھے۔ایک بار ایک دن سے کم میں انہوں نے مقامات حریری کے تین مقامے ازبر کر لئے۔[۴] علامہ ابن ابی اصیبعہ مؤلف طبقات الاطبا نے ادویہ مفردہ کے متعلق کچھ کتابیں مصنفہ

نئی کتاب..........ایک طالب علم کی

سفری یادداشتیں

نوراحمد شاہتاز

ناشر: اسکالرز اکیڈمی کراچی...... ہر اچھے بک اسٹال پر دستیاب ہے۔

☆اترک المستقبل حتی یاتی ولاتہتم بالغد لانک اذا اصلحت یومک صلح غدک.☆

ابن بیطار خود مصنف سے پڑھی تھیں۔اپنے استاد کی تعلیم کا جو اسلوب انہوں نے طبقات میں لکھا ہے اس سے علاوہ استحضار علمی کے یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ اساتذہ سلف کس طرح اپنے تلامذہ کو کامل بناتے تھے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے استاد کے درس کے وقت بہت سی کتابیں مفرد دواؤں کے متعلق مثل کتاب حکیم دیسقوریدس، کتاب جالینوس، کتاب غافقی موجود رہتیں۔ان کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ اول ایک مفرد دوا کا یونانی نام (جو دیسقوریدس نے لکھا ہے) لیتے اس کے بعد اس کے معنی (جو انہوں نے روم میں رہ کر تحقیق کئے تھے) بیان کرتے۔پھر جو کچھ طبیب مذکور نے اس دوا کے افعال و خواص لکھے ہیں سناتے۔اسی طرح جالینوس اور متاخرین کے اقوال و مذاہب کا یہ ترتیب ذکر کرتے پھر اطباء کے باہمی اختلاف کی (دوائے مذکور کی نسبت) تشریح کرتے۔آخر میں وہ غلطیاں ظاہر کرتے جو اطبائے مذکور سے اس دوا کے متعلق سرزد ہوئی تھیں۔استاد جب ان مدارج کو طے کر چکتے تو ہم محولہ کتابوں کو کھول کر دیکھتے۔ان کے زبانی بیان اور کتابوں کے مضمون میں سرمو فرق نہ نکلتا۔جب ہم کتاب دیکھتے تو ابن بیطار یہ بتاتے جاتے کہ دیسقوریدس نے فلاں مقالے میں اس دوا کا ذکر کیا ہے اور مقالہ مذکور میں اس کا یہ نمبر ہے۔اس قدر بیان پر علامہ استاد کو تسلی نہ ہوتی بلکہ جن نباتات کا ذکر درس میں ہوتا وقتاً فوقتاً جنگل میں لے جا کر ان کا مشاہدہ بھی طلباء کو کرا دیتے۔جو استاد اپنے طلبا کے سامنے بقراط اور جالینوس کی غلطیاں نکال کر رکھ دے ان کو کتاب کا کیڑا نہ بنائے بلکہ حقائق کے مشاہدے کا خوگر کرے اس کے شاگرد بے شک کامل اور محقق ہوں گے۔جو لوگ جالینوس اور ارسطو کی عقل کو معصوم مان چکے انہوں نے گویا اپنی عقلوں کو یونانیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔پھر کمال کیسا اور تحقیقات کجا۵۔

امام داؤد ظاہری ناقل ہیں کہ میری محفل میں ایک روز ایک شخص ابو یعقوب بصری نامی شکستہ حال وارد ہوئے اور بدون کسی اشارے کے خود بخود صدر میں آ بیٹھے اور فخریہ لہجے میں مجھ سے کہا کہ **سل یافتی عمابدالک** (اے جوان تیرے دل میں جو آئے مجھ سے پوچھ لے) مجھ کو ان کی اس مشیخت پر سخت غصہ آیا اور استہزاء میں نے کہا کہ حجامت۶ کی نسبت کچھ فرمایئے۔

ابو یعقوب نے بارک اللہ کہا اور سب سے اول محدثانہ اور فقیہانہ گفتگو شروع کی۔حدیث افطر الحاجم والمحجوم روایت کر کے بیان کیا کہ کس راوی نے اس کو مسند اور کس نے موقوف اور کس نے مرسل روایت کیا ہے اور فقہا میں کس کس کا عمل اس پر ہے اس کے بعد انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

☆طهر قلبك من الحسد ونقه من الحقد واخرج منه البغضاء وازل منه الشحناء.☆

کے پچھنے لگوانے کے مختلف طریقے بیان کئے اوراس پر اجرت کا ذکر کیا جو آپ نے حجام کو مرحمت فرمائی تھی اور یہ ثابت کیا کہ اگر اجرت حجامت حرام ہوتی تو آپ مرحمت نہ فرماتے۔ پھر ایک اور حدیث کے طرق روایت سنائے جس کا مضمون یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے بھری شاخیں کھچوائی تھیں۔ پھر اس باب کی تمام احادیث صحیحہ متوسطہ اور ضعیفہ کو علی الترتیب بیان کیا۔ اصول حدیث وفقہ کے مطابق اس قدر بحث کے بعد وہ طب کی طرف جھکے اور اطبا کی جو رائے حجامت کی نسبت مختلف زمانوں میں رہی ہے۔ مشرح کہہ سنائی۔ طب کے بعد تاریخ کا نمبر تھا آخر کلام میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ سب سے اول یہ عمل اصفہان میں ایجاد ہوا تھا۔ امام ظاہری فرماتے ہیں کہ میں یہ وسعت تقریر دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا **واللہ ماحقرت بعدک احدا ابدا** یعنی میں تمہارے بعد کسی کو بہ نظر حقارت نہیں دیکھوں گا۔ مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس نے ایک زمانے میں بیان کیا تھا کہ جب تک دو سو سطریں حفظ نہیں کر لیتا سوتا نہیں۔ قرامان واقع ملک روم میں جو مدرسہ بنام سلسلہ جاری تھا اس کے بانی کی جانب سے یہ شرط تھی کہ اس کا مدرس وہ عالم مقرر کیا جائے جس کو صحاح جوہری از بر ہو۔ چنانچہ مولانا جمال الدین اپنے عہد میں مدرسہ مذکور کے مدرس تھے[۸]۔

علم سے سیر نہ ہونا:

علامہ ابن العلا سے ایک بار کسی نے پوچھا کہ آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہیے۔ اس عالی دماغ نے جواب میں کہا کہ **مادامت الحیوۃ تحسن بہ** یعنی جبتک حیات مہربان رہے۔ دریائے ناپیدا کنار ہے اور انسانی زندگی محدود بااین ہمہ اگر آدمی کسی حد پر پہنچ کر علم سے سیر ہو جائے تو یہ اس کی حرماں نصیبی ہے شوق کا تقاضا یہ ہے۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اور یہ محض دل خوش کن خیال نہیں ہے۔ آپ میدان عمل میں ایسے جواں مرد پائیں گے جنھوں نے اس قول کو دم واپسیں تک عزیز رکھا اور دکھلا دیا کہ جب اجل کا فرشتہ ان کی جان شیریں تن سے جدا کر رہا تھا وہ علم کی خدمت میں مشغول تھے اور سچ یہ ہے کہ جب علم محدود نہیں تو طلب کی بھی کوئی حد نہ ہونی چاہیئے۔ کسی کمال کے طالب کا یہ خیال کر لینا کہ میں حد طلب کو پہنچ چکا سم قاتل ہے۔ یہ

☆ما مضی فات وما ذہب مات فلا ☆اعتزل الناس الامن خیر وکن جلیس بیتک واقبل علی نفسک وقلل من المخالطۃ.☆

مسئلہ پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ عالم میں کسی حالت کو وقوف نہیں ہے۔ یا ترقی ہے یا تنزل۔ پس علمی عروج میں بھی جس زینے پر طالب کا قدم رکا وہیں سے اس کا تنزل شروع ہو جائے گا۔ اور جب تک اس کے ذہن میں اپنی نادانی کا خیال راسخ اور اس کی ہمت کا مقولہ ''پیش،، رہے گا۔ میدان طلب میں فتح وفیروزی نصیب ہوتی جائے گی۔ سقراط کا مقولہ ہے کہ میرے علم کی معراج یہ ہے کہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ مجھ کو کچھ نہیں آتا۔ دیار مغرب کا ایک حکیم دانا جب بستر نزع پر دم توڑ رہا تھا تو اس نے کہا کہ دنیا میرے علم کی نسبت معلوم نہیں کیا کیا گمان کر رہی ہوگی۔ مگر میں اپنے آپ کو یہ سمجھتا ہوں کہ ایک نافہم بچہ سمندر کنارے چند خزف پاروں سے کھیل رہا ہے اور علم کا ناپیدا کنار سمندر اس کے سامنے موج زن ہے۔ بے شک اگر ان حکما کا یہ دلی عقیدہ نہ ہوتا تو ہرگز وہ علمی مراتب پر سرفراز نہ ہوتے۔

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہرچہ بردے می رسی بروے مایست

امام ابن السنی کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ایک روز لکھتے لکھتے قلم دوات میں رکھا اور دعا کو ہاتھ اٹھائے۔ جو ہاتھ دعا کے واسطے اٹھے تھے پھر وہ قلم نہ اٹھا سکے اور عین حالت دعا میں روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ ابن السنی کا سن اس وقت اسی برس سے متجاوز ہو چکا تھا۹۔ حافظ ابن مندہ کا بیان ہے کہ ان کے والد جب دنیا سے رحلت کر رہے تھے تو حافظ ساجی ان کے سامنے غرائب شعبہ کی قرات میں مصروف تھے۱۰۔ امام ادب ابوالعباس ثعلب کی وفات کے واقعے سے زیادہ موثر مثال اس مبحث میں مشکل سے ملے گی۔ ثعلب کی عمر اکانوے برس کی ہو چکی تھی کہ ایک دن جمعے کے بعد مسجد سے مکان کو جانے لگے۔ راستے میں کتاب دیکھتے جاتے تھے۔ کتاب میں محویت اور اس پر ثقل سماعت پھر آواز کیا سنتے ایک گھوڑے کا دھکا لگا اور اس کے صدمے سے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے لوگ غشی کی حالت میں اٹھا کر مکان پر لائے۔ ضعف پیری اتنے بڑے صدمے کو کب برداشت کر سکتا تھا اسی حال میں رحلت کی۔ انتہائے پیری میں بھی ان کا شوق طلب اتنا قوی تھا کہ رہ نوردی میں جو وقت گزرتا اس کا جاتا رہنا بھی گوارا نہ ہوا۔

چہ حالت ست ندانم جمال سلمارا | کہ بیش دیدنش افزوں کند تمنارا

اور سچ یہ ہے کہ اگر یہ علمی تشنگی نہ ہوتی تو ابوالعباس ادب میں امامت کے درجے کو نہ پہنچے۱۱۔

انسان جب کسی پریشانی میں ہوتا ہے تو اس سے معمولی کام بھی نہیں ہو سکتے۔ لیکن طلب صادق میں یہ

☆ الكتاب لحسن الاصحاب فسامر الكتب وصاحب العلم وموافق المعرفة. ☆

کرامت ہے کہ وہ پریشانی کو بھی جمعیت کے قالب میں لے آتی ہے۔علمائے سلف نے پریشان خاطری کی حالت میں وہ وہ کام کیے ہیں کہ زمانہ آج تک ان پر آفریں کرر ہاہے۔ابوتمام طائی شاعر مشہور ایک مرتبہ خراسان کے دربار کو جار ہا تھا۔ ہمدان پہنچ کر موسم سردمہری سے پیش آیا اور برف اس کثرت سے پڑی کہ تمام راستے بند ہوگئے اور ابوتمام کو چندے وہیں قیام کرنا پڑا۔حالت سفر میں ایسا جرح واقع ہونے سے جو پریشانی طبیعت کو ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔مگر ہمارے زندہ دل شاعر کی خاطر جمع تھی۔جس رئیس کا وہ مہمان تھا۔اس کے کتاب خانے میں دواوین عرب بکثرت تھے ابوتمام نے موقع کو غنیمت سمجھ کر سب دیوان پڑھے اور ان میں سے اشعار انتخاب کر کے نظم عربی کا ایک بے بہا مجموعہ تیار کرلیا جو آجتک حماسہ کے نام سے سارے عالم میں مشہور ہے۱۳۔شیخ الرئیس سے ایک زمانے میں حکام وقت برہم تھے اور جان کے خوف ۱۴ نے روپوش کرر کھا تھا۔اسی تباہ حالی میں کچھ دن کے لئے اسے ایک عطار کے گھر میں پناہ مل گئی۔اتنا سا اطمینان پا کر شیخ کو اپنے علمی مشاغل یاد آئے اور عطار سے سامان تحریر منگوا کر تصنیف شروع کردی۔یہ کوئی معمولی تصنیف نہ تھی بلکہ شیخ اپنی کتاب شفا کو تمام کرر ہا تھا۔طرز تصنیف یہ تھا اول روؤس مسائل اپنی یاد سے ایک جز پر لکھے اس کے بعد ان مسائل کی تشریح کی۔اس طرح فن طبعیات والہیات ختم کر دئے۔فنون حکمیہ میں کتاب حیوان وکتاب نبات اگرچہ باقی تھی لیکن شیخ ان کو چھوڑ کر فن منطق لکھنے لگا۔ہنوز منطق تحریر ہور ہی تھی کہ قضیہ دگرگوں ہوگیا۔کسی مخبر نے حاکم کو خبر کردی اور اس نے شیخ کو گرفتار کر کے قلعہ فردجان میں بھیج دیا۔اس بلند اور استوار حصار میں شیخ کا جسم بے شک مقید تھا۔لیکن اس کے علمی شوق کو کوئی دنیاوی طاقت مقید نہیں کرسکتی تھی۔اسی زندان میں کتاب الہدایات رسالہ حی ابن یقظان اور کتاب القولنج تصنیف کر ڈالیں۔اس وقت کے لوگ اگلے زمانے کو ایک بہشتی زمانہ تصور کرر ہے ہیں جس میں علماء کے واسطے در و دیوار اور زمین آسمان سے اطمینان و فارغ البالی برستی تھی اور ان کا یہ گمان بلکہ بدگمانی ہے کہ جو نمایاں کام اسلاف نے کیے وہ اسی فراغ خاطر کی بدولت تھے۔حالانکہ واقعات اس کی تردید کرر ہے ہیں۔کیا حکایت بالا کو پڑھ کر کسی دل میں یہ تمنا پیدا ہوگی کہ کاش اس کو شیخ الرئیس کا سا اطمینان نصیب ہوتا۔اگر شیخ نجات اور فراغ خاطر کا منتظر رہتا تو دنیا کو شفا وغیرہ بے بہا تصانیف کب میسر آتیں ۱۵۔شیخ ابن جوزی ایک زمانے میں واسط میں نظر بند تھے۔یہ وہ وقت تھا کہ چاردانگ عالم کو ان کی امامت وجلالت مسخر کرچکی تھی۔حسن اتفاق سے ابن باقلانی بھی ان روزوں واسط

میں تھے۔ابن جوزی نے یہ موقع غنیمت سمجھااوران سے پڑھناشروع کردیا۔شیخ کے صاحبزادے یوسف باپ کے ہم سبق تھے اس واقعے کی جان یہ ہے کہ سبق خوانی کے وقت امام ابن جوزی کی عمراسی برس کی تھی۔شمس الائمہ سرخسی نے جوکتاب علم اصول میں تصنیف کی ہے اس کا لکھنا خوارزم کے قیدخانے میں شروع کیاتھا۔باب الشروط تک حالت قید میں لکھی۔رہائی پاکرفرغانہ میں ختم کی [۱۳]۔

علامہ اثیرالدین ابہری کی نسبت بیان ہے کہ اگرچہ علم وفضل میں اس پایہ کوپہنچ گئے تھے کہ خودان کی تصانیف ملک میں مقبولیت حاصل کرچکی تھیں۔تاہم اساتذہ کے سامنے کتاب لے کر بیٹھنے میں ان کوعارنہ تھی۔ابن خلکان لکھتے ہیں کہ خودمیں نے ان کواس حالت کمال میں کمال الدین شافعی سے مجسطی پڑھتے دیکھاتھا [۱۴]۔امام داؤدظاہری کی مجلس میں چارسوعالم صاحب طیلسان حاضر ہوتے تھے اورشیخ ابوحامداسفرائنی کے درس میں تین سوتک فقہاشمار کئے گئے [۱۵]۔

امام نحویونس نے اٹھاسی برس کی عمرپائی۔ابن خلکان ان کی نسبت لکھتے ہیں کہ ساری عمرانہوں نے شادی نہیں کی اورمرتے دم تک ان کے پیش نظرسوائے طلب علم اورمذاکرہ علمیہ کے کچھ نہیں رہا۔[۱۶]

بذلِ اموال:

افلاس کی حالت میں علمائے کرام کی ہمت کاجوعالم رہااس کوہم مفصل گزارش کرچکے ایک دوسراپہلودیکھنا ابھی باقی ہے۔یعنی دولت وتمول کاجس کی نسبت مشہورہے ۔

بادہاخوردن وہشیارنشستن سہل ست
چوں بدولت برسی مست نگردی مردی

اثران کے علمی شوق پرکیاپڑا۔افلاس انسان کے حوصلے کوپست کرتاہے۔اوردولت مندی قوائے دماغی کوکنداورست کرنے والی ہے۔جس طرح افلاس میں مستقل مزاج رہنادشوارہے اسی طرح نشہ دولت میں اپنے آپ کوسنبھالنے رکھنے مشکل ہے۔اگرواقعات یہ ثابت کردیں کہ علمای سلف ثروت میں بھی ویسے ہی طالب علم تھے جیسے افلاس میں تو یہ کہاجائے گاکہ انہوں نے علم کے دوزبردست دشمنوں کواپنی مردانہ ہمت سے زیرکرلیاتھا۔

علی ابن عاصم بیان کرتے ہیں کہ ابتدائے طالب علمی میں میرے والدنے ایک لاکھ درہم مجھ کودئے اورکہاکہ بیٹایہ لاکھ درہم لواورعلم کی تحصیل میں صرف کرو۔مگریہ یادرہے کہ ان لاکھ درہموں کامعاوضہ

☆اخرج الی الفضاء وطالع الحدائق الغناء وتفرج فی خلق الباری وابداع الخالق.☆

ایک لاکھ حدیثوں سے ہوگا۔علی ابن عاصم نے باپ کی توقع کو ضائع نہیں کیا۔ان کے محدثانہ کمال کا یہ شاہد عدل ہے کہ ان کو دربار علم سے ممسند عراق کا خطاب عطا گیا۱۷۔ہشام ابن عبیداللہ نے (جو شوق طلب میں سترہ سو شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے) سات لاکھ درہم راہ طلب میں صرف کیئے۔ (کسی روز ذرا اپنے شیوخ اور صرفہ کا حساب بھی لگایئے گا (مدیر) اسی طرح ابن متوکل بخاری نے اسی ہزار درہم۔حافظ کبیر ابن سنجر نے نو ہزار اشرفیاں۔حافظ ابن رستم نے تین لاکھ درہم اور امام ذہبی نے ڈیڑھ لاکھ درہم طلب علم میں صرف کیئے۱۸ (اور آپ نے اور میں نے کس قدر صرف کیئے ؟مقامِ غور ہے۔ مدیر)

ابوبکر جوزقی کی نسبت روایت ہے کہ انہوں نے طالب علمی میں ایک لاکھ درہم خرچ کیئے اور جس فن کو اتنا گراں خریدا اس کو کبھی سستا نہیں بیچا یعنی اس کے ذریعے سے کبھی دنیا نہیں کمائی۱۹۔ (اور ہم درس نظامی پڑھ لکھ کر بنے اسکول ٹیچر۔مدیر) ابو یوسف سروسی حافظ علامہ جن کی مسند کبیر فن حدیث میں ایک گراں مایہ کتاب ہے ۔بہت متمول اور باثروت تھے چالیس کاتب ان کی سرکار میں شب و روز کتابوں کی نقل کے واسطے حاضر رہتے۔اگلے علما جس حوصلے اور ہمت سے کتابیں تصنیف کرتے تھے وہ اس سے عیاں ہے کہ جس مسند کو کبیر کا خطاب ملا ہے اس کی تیاری اور تکمیل میں دس ہزار اشرفیاں صرف ہوئی تھیں۲۰۔ابومسلم صاحب سنن نے اول مرتبہ روایت حدیث کرنے کی خوشی میں دس ہزار درہم خیرات کیئے فاروق خطابی ان کے ایک شاگرد راوی ہیں کہ جب ہم لوگ ان سے سنن سن کر فارغ ہوئے تو ہماری ضیافت انہوں نے بڑی دھوم سے کی جس میں ایک ہزار اشرفیاں خرچ ہوئیں۲۱۔اسی طرح جب ابن احمد ہمدانی نے پہلی بار اپنے وطن ہمدان میں املائے حدیث کیا تو سات سو اشرفیاں طلبائے حدیث کی نذر کیں۲۲۔شاہ عبدالعزیز صاحب حافظ ابن حجر عسقلانی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حافظ ممدوح بخاری کی شرح فتح الباری کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس مسرت میں انہوں نے ایک شاندار دعوت پانسو اشرفی لگا کر کی۲۳۔دار قطنی کے استاد امام وعلج کی سرکار سے محدثین مکہ مکرمہ وعراق و سجستان کے وظائف مقرر تھے۲۴۔امام لیث حافظ ابوعبداللہ رازی اخیر دفعہ بصرے گئے تو صرف کاتبین کی اجرت کی بابت دس ہزار درہم ادا کیئے۲۵۔

☆علیك بالمشیی والریاضة مع اجتنب الکسل والخمول مع الھجر الفراغ والبطالة. ☆

مسلمانان سلف میں عموماً علمی ذوق

علمائے سلف کی علمی شیفتگی سے بحث کرنے کے بعد غالباً ایک نظر اس زمانے کے عام اہل اسلام کی علمی حالت پر ڈالنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔اس دور شائستگی میں جس طرح ہر شائستہ ملک وملت کے فی صدی تعلیم یافتہ آدمیوں کی صحیح تعداد آئینہ ہورہی ہے اس طرح ہم اگلے زمانے کے خواندہ مسلمانوں کا ٹھیک شمار پیش کرنے سے قاصر ہیں۔مگر بہت سے واقعے کتابوں میں ایسے ملتے ہیں جن کی مدد سے قیاس اپنا کام کرسکتا ہے اور ایک تخمینی حالت پچھلے مسلمانوں کے بکثرت تعلیم یافتہ ہونے کی ہمارے ذہن میں پیدا ہوسکتی ہے۔اس مبحث کو ہم تین حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔عامہ مسلمین میں علم کا شوق اور رواج بیبیوں میں علم کا چرچا۔امرا میں علم۔

عامہ مسلمین میں علم کا شوق اور رواج

عامہ اہل اسلام میں علمی رواج ومذاق کا پتہ لگانے کے تین ذریعے ہمارے پیش نظر ہیں۔اولاً ان حاضرین کی تعداد جو ایک ایک حلقہ درس میں شامل اور حاضر ہوتے تھے۔ثانیاً ان اہل کمال کا شمار جو ایک ایک شہر میں تھے۔ثالثاً چند متفرق حکایتیں۔

یحیی ابن جعفر بیکندی بیان کرتے ہیں کہ علی ابن عاصم کے حلقہ درس حدیث میں تیس تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔یزید بن ہارون نے جب بغداد میں درس حدیث دیا تو اس میں ستر ہزار حاضرین کا تخمینہ کیا گیا۔ایک مرتبہ سلیمان ابن حرب کے واسطے بغداد میں قصر خلافت کے قریب ایک مرتفع جگہ مثل منبر تیار کی گئی تاکہ اس پر بیٹھ کر املائے حدیث کریں۔اس مجلس میں امیر المومنین مامون الرشید اور تمام امرائے خلافت حاضر تھے جو لفظ امام ممدوح کے منہ سے نکلتا اس کو امیر المومنین خود اپنے قلم سے لکھتے جاتے جب کل حاضرین درس کا تخمینہ لیا گیا تو چالیس ہزار نفوس انداز میں آئے امام عاصم ابن علی املائے حدیث کے واسطے بغداد سے باہر نخلستان میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھتے تھے۔ان کے مستملی ہارون نے اپنے کھڑے ہونے کے واسطے ایک خمدار کھجور کا درخت پسند کر رکھا تھا۔خلیفہ معتصم باللہ نے ایک بار ایک اپنا معتمد اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا۔معتمد نے ارشاد خلافت کی تعمیل کی تو ایک لاکھ بیس ہزار پر حاضرین کی تعداد پہنچی۔جس قوم کے افراد ایک ایک مجلس علمی میں سوا سوا لاکھ جمع ہوجائیں قیاس کیجئے کہ اس قوم کے سینے میں کتنا شوق علم بھڑک رہا ہوگا اور جو شہر اپنے

☆اقرا التاریخ وتفکر فی عجائبہ وتدبر غرائبہ واستمتع بقصصہ واخبارہ۔☆

سوا سوا لاکھ باشندے ایک جلسہ علمی میں بھیج دے وہ کتنا آباد ہوگا ۲۶۔

یہ واقعات پڑھنے کے بعد یہ سوال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان مجالس کے حاضرین کے شمار کرنے کا کیا طریقہ تھا اور حقیقۃ ان روایتوں پر وثوق اس طریقے کی صحت وعدم صحت پر موقوف ہے۔ ذیل کا واقعہ اس سوال کا جواب دے گا۔ احمد بن جعفر راوی ہیں کہ جب ابو مسلم بغداد میں آئے تو رحبہ عفان نامی مقام پر انہوں نے حدیث کا املا کیا۔ سات مستملی کھڑے ہوئے۔

جن میں سے ایک دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچاتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے تحریر حدیث میں مصروف تھے یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کس قدر آدمی اس وسیع میدان میں فراہم تھے میدان مذکور کی پیائش کی گئی اور دواتیں گنی گئیں کچھ اوپر چالیس ہزار دواتیں ہوئیں جو لوگ لکھتے نہ تھے صرف سماعاً شریک تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔ جب شیخ وقت فریابی نے بغداد میں املائے حدیث کیا تو تین سو سولہ مستملی ان کی مجلس میں حاضر تھے۔ اور حاضرین تخمیناً تیس ہزار۔ ابوالفضل راوی ہیں کہ جب میں نے فریابی سے حدیث سنی ہے تو قریباً دس ہزار آدمی ان کے پاس ایسے پڑھنے آتے تھے جو دوات قلم لے کر بیٹھتے۔ امام ذہبی ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں یہ شوق اپنے رسول پاک ﷺ کے اقوال واحوال کا اہل اسلام میں تھا کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار دواتیں رکھی جاتی تھیں ۲۷۔ امام بخاری کے صرف ایک شاگرد فربری سے نوے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کی تھی ۲۔ جب فرانے اپنی تصنیف کتاب المعانی (فن ادب) کا املا کیا تو لوگوں نے حاضرین کا شمار کرنا چاہا مگر بوجہ ہجوم کے نہ کر سکے۔ صرف قاضیوں کو گنا تو اسی تھے ۲۸۔ دوسرا ذریعہ عامہ مسلمین میں علم کی کثرت دریافت کرنے کا ان باکمالوں کی تعداد ہے جو ایک ایک شہر میں ایک ہی وقت میں موجود تھے۔ جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ فی صدی کتنے طلبہ اعلی تعلیم تک پہنچتے ہیں اور پھر اعلی تعلیم تک پہنچنے والوں میں کتنے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو علم وفن کی خدمت کے لئے وقف کر کے کمال حاصل کرتے ہیں تو بے شک باکمالوں کی تعداد مسلمانوں میں علم کے عام اور شائع ہونے کی شہادت بن سکے گی۔ ذیل کے واقعے صرف ایک ایک فن کے کملا بتلاتے ہیں۔ مگر قیاس کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں کہ جس شہر میں نو سو سے زیادہ سند یافتہ طبیب ہوں گے اس میں کتنے محدث ہوں گے۔ کس قدر ادیب اور کتنے مہندس وغیر ذلک۔ پس اولاً ذہن میں کل فن کے باکمالوں کی تعداد ایک فن کے باکمالوں پر قیاس کر کے قائم کیجئے پھر یہ سوچئے کہ کتنے پڑھنے والوں میں ایک باکمال پیدا ہوتا ہے تو عامہ مسلمین میں کثرت تعلیم کا ایک اجمالی مفہوم ضرور آپ کے ذہن میں قائم ہو سکے گا۔

مسلم ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فن حدیث حاصل کیا ہے اور باوجود شیوخ کی اس کثرت کے میں پل ۲۹ اتر کر نہیں گیا۔ یعنی ایک ہی شہر میں آٹھ سو اساتذہ حدیث ان کو ایسے مل گئے جو شیخ کا لقب حاصل کر چکے تھے ۳۰۔ ۳۱۹ھ میں خلیفہ عباسی مقتدر باللہ کو یہ سن کر سخت افسوس ہوا کہ شہر بغداد میں ایک شخص کی جان کسی طبیب کے جہل مرکب کی نذر ہوگئی۔ آیندہ کی انسداد کے لئے رئیس الاطباء ابن ثابت کے نام یہ حکم صادر کیا گیا کہ تمام اطبائے بغداد کا امتحان لیا جائے جو امتحان میں کامیاب ہوں ان کو سند عطا ہو اور جو ناکامیاب رہیں ان کو علاج سے روک دیا جائے۔ بغرض مزید احتیاط سند میں اس امر کی تشریح بھی ہو کہ دارندہ سند کو فلاں فلاں قسم کے امراض کے معالجے کی اجازت ہے تا کہ وہ انہیں امراض کا علاج کر سکے جن سے اس کو پوری واقفیت ہو۔ ابن ثابت نے فرمان خلافت کی تعمیل کی اور کل اطبائے دارالاسلام کا امتحان لیا۔ کیا یہ حیرت خیز بات نہیں ہے کہ بعد امتحان دارالخلافۃ کے دونوں حصوں میں جن اطباء کو سند علاج عطا ہوئی ان کی تعداد کچھ کم نو سو تھی۔ مزید برآں وہ اطباء اس شمار سے خارج ہیں جو بوجہ شہرت فضل و کمال امتحان سے مستثنیٰ رہے یا جن کو سرکار خلافت میں تعلق حاصل تھا۔ خدا کو علم ہے کہ ایسے طبیب کتنے تھے اور ان کی تعداد نو سو کے عدد کو کہاں تک بڑھا دیتی ۳۱۔ امام ادب نضر بن شمیل جب بصرے سے خراسان کو جانے لگے تو تین ہزار آدمی شہر سے ان کی مشایعت کو ایسے نکلے جو یا نحوی تھے یا لغوی عروضی تھے یا محدث یا اخباری ۳۲۔ کیا ہم انہیں اسلاف کے خلف ہیں جن میں کمال کی یہ کثرت تھی ہماری پست حالت تو ان واقعات کو بھی رستم و اسفندیار کے افسانوں کے پہلو بہ پہلو بٹھانے پر آمادہ ہے۔ جیسے تین ہزار اہل بصیرت ایک شہر بصرے سے باہر آئے تھے ویسے تین بھی آج تمام دنیائے مسلمین میں یقیناً نہیں نکلیں گے جس قوم میں یہ قحط رجال ہو اس کے اگلے شہروں کی یہ مردم خیزی محال تو بے شک نہیں مگر بعید از حال و خیال تو ضرور ہے۔

تیسرا ذریعہ یہ متفرق واقعے ہیں جن سے ایک نہ ایک پہلو سے ہمارا مدعا عیاں ہوتا ہے۔ ابن الاعرابی کوفی نے ایک روز اپنے درس میں دو آدمیوں سے جو باہم باتیں کر رہے تھے ان کا وطن دریافت کیا۔ ذرا غور سے سنئے کہ ایک نے اپنا وطن اسپیجاپ (متصل سرحد چین) بتلا دیا۔ دوسرے نے اسپین۔ ابن الاعرابی کو اس خیال سے حیرت ہوئی کہ کس قدر دور و دراز ملک کے باشندوں کو شوق علم کی کشش ان کی مجلس میں کھینچ لائی تھی۔ امام ابوالعباس نے ایام طالب علمی میں اپنی والدہ سے اجازت چاہی کہ امام قتیبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوں مگر اجازت نہ ملی اور انہوں نے عزم فسخ

☆اهجر المنبهات والاكثار منها كالشاهي والقهوة مواخذ التدخين والنيشة وغيرها.☆

کر دیا۔ جب ان کی والدہ رحلت فرما گئیں تو بلخ پہنچے قتیبہ ان کے پہنچنے سے پہلے وفات پاچکے تھے۔ کسی جلیل القدر استاد کے فیض سے محروم رہ جانا ان دنوں دنیائے اسلام میں ایک ایسی مصیبت عظمیٰ سمجھی جاتی تھی کہ لوگ ابو العباس کے پاس ان کی محرومی کی تعزیت کرنے آتے تھے ۴۳۔ حافظ کبیر ابونعیم کی کتاب الحلیہ کا پہلا نسخہ جب نیشا پور پہنچا تو وہاں اس کی یہ قدر ہوئی کہ چار سو اشرفی کو بکا۔ علامہ محدث ابن فطیس قرطبی کی کتابیں ان کی وفات کے بعد بیچی گئیں تو چالیس ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوئیں۔ (اور آج کسی عالم کا انتقال ہوجائے تو کتابیں ردی کے بھاؤ کباڑیئے خریدتے اور پھر فٹ پاتھ پر رکھ کر بیچتے ہیں۔ ہم نے خود کئی مرحوم علماء کی کتابیں کراچی کے صدر بازار کے فٹ پاتھ سے خریدی ہیں (مدیر)

خواتین میں علم کا ذوق

جن کتابوں کی مدد سے ہم نے یہ اوراق مرتب کئے ہیں وہ عورتوں کے تعلیمی حالات سے اور بھی خاموش ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے کچھ واقعات متفرق ایسے ملے ہیں جو صاف کہہ رہے ہیں کہ ہماری ترقی کے دور میں انسانی صنف نازک بھی ایک علمی شان و مرتبہ رکھتی تھی اور جو کمالات اگلے مسلمان حاصل کرتے تھے ان میں ان کی ماؤں اور بہنوں کی مدو غیر معتد بہ نہیں ہوتی تھی۔ امام حافظ ابن عساکر مؤرخ دمشق نے جن اساتذہ سے فن حدیث حاصل کیا تھا ان میں اسی سے زیادہ عورتیں تھیں ۴۴۔ حافظ ابن حجر تو الی التاسیس میں اپنے شیوخ میں متعدد جگہ بیبیوں کا نام لیتے ہیں۔ حفید ابن زہر اشبیلیہ کے حبیب مشہور کی بہن اور بھانجی طب اور معالجات کی عالمہ تھیں اور امراض نسائی کے معالجے میں بالخصوص ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ خلیفہ منصور (فرماں روائے اندلس) کے محلات کا علاج ان کے سپرد تھا۔ اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جیسے عموماً گھر کی بڑی بوڑھیاں عورتوں اور بچوں کے علاج کرلیا کرتی ہیں ایسی ہی ابن زہر کی بہن اور بھانجی بھی ہوں گی۔ مورخ ابن ابی اصیبعہ جو علاوہ علامہ وقت ہونے کے اعلیٰ درجہ کے طبیب بھی تھے۔ اپنی تاریخ میں ان کی نسبت یہ الفاظ لکھتے ہیں۔ وکانت اختہ وابنتھا ھذہ عالمتین بضاعۃ الطب والمداواۃ ولھما خبرۃ جید قبما یتعلق بمداواۃ النساء یعنی اس کی (ابن زہر کی) بہن اور بھانجی فن طب و معالجات کی عالمہ تھیں اور مستورات کے علاج میں ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ امام یزید ابن ہارون کو آخر عمر میں ضعف بصارت نے کتاب بینی سے معذور کردیا تھا۔ ان کی جاریہ اس مصیبت میں ان کے کام آتی اور وقت ضرورت کتابیں دیکھ کر ان کے لئے حدیثیں یاد کرلیتی ۴۵۔ ابن سماک کوفی نے (جو اپنے عہد میں مشہور عالم تھے) ایک مرتبہ تقریر کرنے کے بعد اپنی جاریہ سے پوچھا کہ میرا طرز بیان

کیسا ہے۔سخن شناس جاریہ نے کہا کہ تقریر تو اچھی ہے لیکن اتنا نقص ہے کہ تم ایک ہی بات کو بار بار کہتے ہو۔ابن سماک نے کہا میں اعادہ کلام اس لئے کرتا ہوں کہ جو مخاطب اول مرتبہ نہ سمجھے ہوں وہ بھی سمجھ جائیں۔جاریہ نے جواب دیا جب تک کم فہم سمجھیں گے، سمجھنے والے مکدر ہو چکیں گے۳۶۔امام ابن جوزی کو ان کے والد تین برس کا چھوڑ کر رحلت کر گئے تھے۔باپ کے بعد یتیم بچے کی پرورش کی کفیل پھوپھی ہوئیں۔ابن جوزی کی بہت چھوٹی عمر تھی کہ ان کی پھوپھی ان کو علماء کے حلقہ درس میں لے جاتیں تا کہ بچپن ہی سے ان کے کان علمی باتوں سے آشنا ہو جائیں اس حفظ اوقات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ابن جوزی دس برس کی عمر میں وعظ فرمانے لگے اور بڑھ کر دنیا کے ایک جلیل القدر امام ہوئے ۳۷امام ربیعۃ الرائے (استاد امام مالک وخواجہ حسن بصری) کے والد فروخ خلافت بنی امیہ کے عہد میں لشکر میں ملازم تھے جس زمانے میں امام ممدوح اپنی والدہ کے بطن میں تھے اس وقت خراسان کو ایک لشکر خلیفہ دمشق کی جانب سے روانہ کیا گیا اور فروخ کی خدمت اس لشکر کے سپرد ہوئی ۔وہ دور اسلامی فتوحات کا دور تھا اور مسلمان فرماں روا بر و بحر کو اسلامی پرچم کے نیچے لانے کا تہیہ کر رہے تھے فروخ کو خراسانی مہم میں ستائیس برس لگ گئے جب وہ لوٹے تو جس بچے کو ماں کے پیٹ میں چھوڑ گئے تھے۔وہ بڑا ہو کر امام وقت بن چکا تھا۔قصہ مختصر فروخ لوٹ کر اپنے وطن مدینہ منورہ کو آئے اور گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لئے گھر پر پہنچے اور دروازے کو نیزے کی انی سے کھٹ کھٹایا۔ربیعہ نے جو کھٹکا سنا تو دروازہ کھولا اور باہر آئے۔اگر چہ باپ نے بیٹے کو نہیں پہچانا مگر گھر ان کا تھا۔دروازہ کھلنے پر بے تکلف اندر جانے لگے۔ربیعہ کو یہ دیکھ کر وحشت ہوئی اور للکار کر کہا کہ یا عدو اللہ تو میرے مکان میں کس طرح گھسا پڑتا ہے۔سپاہی منش فروخ کو جن کی رگوں میں فتح کا جوش تازہ تھا یہ سن کر طیش آیا اور کہا کہ خدا کے دشمن میری حرم سرا میں تیرا کیا کام۔غرض بات بڑھی اور خدائی بیچ پڑوسی جمع ہو گئے امام مالک بھی استاد کا معاملہ سمجھ کر تشریف لے آئے اور مصلحانہ لہجے میں فروخ سے کہا کہ بڑے میاں آپ کو ٹھہرنا ہی مقصود ہے تو دوسرا مکان موجود ہے۔امام صاحب کی نرمی نے فروخ کے دل پر اثر کیا اور کہا کہ جناب میرا نام فروخ ہے اور یہ مکان میرا ہے۔ربیعہ کی والدہ نے نام سن کر پہچانا اور کہا کہ یہ تو ربیعہ کے باپ ہیں۔ربیعہ کی والدہ نے نام سن کر پہچانا اور کہا کہ یہ تو ربیعہ کے باپ ہیں۔اب تو باپ بیٹے گلے ملے اور مل کر خوب روئے۔دلوں کی حرارت جب رونے سے کم ہوئی تو وہ گھر میں آئے اور اندر آ کر پھر جوش محبت میں صاف دل باپ نے بی بی سے پوچھا کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے انہوں نے کہا ہاں۔فروخ جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو ان کو وہ تیس ہزار اشرفیاں یاد آئیں۔جو چلتے وقت بی بی کو دے گئے تھے اور ان کی نسبت استفسار کیا۔زیرک بی بی نے کہا کہ

☆لا تقرا بعض الکتب التی تربی التشاؤم والاحباط والیاس والقنوط۔☆

گھبرایئے نہیں حفاظت سے رکھی ہیں۔ربیعۃ الرائے اس عرصہ میں مسجد نبوی میں جا کر اپنے حلقہ درس میں متمکن ہوئے جس میں امام مالک اور خواجہ حسن بصری ایسے اعیان شامل تھے۔تلامذہ کا یہ ہجوم تھا کہ چاروں طرف سے شیخ کو گھیرے ہوئے تھے۔فروخ جو نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو وہاں یہ عالم دیکھا اور دیر تک شوق سے اس مجمع کو دیکھتے رہے۔ربیعہ اس وقت سر جھکائے ہوئے تھے اور سر پر اونچی ٹوپی تھی۔اس لئے باپ کو ایک دفعہ پھر بیٹے کے پہچاننے میں دقت ہوئی اور انہوں نے متعجب ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ شیخ کون ہے سامعین نے جواب دیا ربیعہ ابن عبدالرحمٰن۔فروخ کے اس وقت کی مسرت کا اندازہ سوائے عالم الغیب کے کون کر سکتا ہے۔فرط مسرت میں ان کی زبان سے بے اختیار نکلا **لقد رفع اللہ ابنی**،،جب خوش خوش گھر آئے تو بی بی سے سارا ماجرا بیان کیا۔بی بی نے کہا کہ آپ کو کیا زیادہ پسند ہے بیٹے کی یہ شان یا تیس ہزار اشرفیاں۔شوہر نے کہا کہ واللہ میں اس شان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔بی بی نے کہا میں نے وہ اشرفیاں ربیعہ کی تعلیم میں صرف کر دیں۔زندہ دل شوہر بولے **واللہ ماضیعتہ** (قسم رب کی تم نے وہ مال ضائع نہیں کیا) اس واقعے میں یہ امر قابل غور ہے کہ ایک بچہ باپ کی تربیت سے محروم ہو کر ماں کی حفاظت میں رہے اور ماں کے قبضے میں تیس ہزار اشرفیاں ہوں پھر اس بچے کو ایسی بیش بہا تعلیم دی جائے کہ اس کے شاگرد دنیا کے نام آور امام ہوں۔بے شک یہ اس عہد کی عورتوں کے عقیل اور علم دوست ہونے کی دلیل ہے ہمارے ملک میں اگر چودھویں صدی کی کسی ماں کے اختیار میں تیس ہزار اشرفیاں اور ایک بچہ دے دیا جائے تو معلوم نہیں بلند اقبال صاحبزادے کے اخلاق کہاں تک ترقی کریں ۳۸۔عربی کی ریاضیات میں شرح چغمنی جس پائے کی کتاب ہے اس سے ہر ایک مشرقی طالب علم واقف ہے لیکن یہ بات بہت کم معلوم ہوگی کہ اگر قاضی زادہ روم کی خواہر اپنے بھائی کی مدد نہ کرتیں تو ہمارے کتاب خانے اس مشہور کتاب سے محروم رہتے۔شارح چغمنی نے ابتدائے علوم کی تحصیل اپنے وطن روم میں کی تھی۔جب اساتذہ عجم کے کمال کا شہرہ انہوں نے سنا تو خراسان کا شوق دل میں پیدا ہوا اور چپکے چپکے سامان سفر کرنے لگے۔بہن زیرکی سے بھائی کے ارادے کو پا گئیں اور بجائے اس کے کہ رو پیٹ کر گھر بھر کو خبردار کر دیتیں اپنا بہت ساز یور بھائی کے سامان سفر میں چھپا چھپا کر رکھ دیا تا کہ مسافرت میں خرچ کی طرف سے پریشانی نہ ہو۔بہن کے اس عزیز توشے نے جو نفع دیا ہوگا۔اس کا اندازہ علامہ بھائی کے دل سے کوئی پوچھتا ۳۹۔ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ امام بخاری نے جب چودہ برس کے سن میں علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا شروع کیا تھا تو ان کی والدہ اور خواہر نگرانی کی متکفل تھیں۔(جاری ہے)

☆تذکر ان ربك واسع المغفرة یقبل التوبة ویعفو عن عبادہ ویبدل السیئات حسنات.☆

حواشی

۱۔تذج ۳ صفحہ ۱۹
۲۔ابن۔ج ا صفحہ ۳۶
۳۔ابن۔ج ا صفحہ ۲۲۶
۴۔تذج ۴ صفحہ ۸۰۔۱۱۶۔۲۳۱
۵۔عیون ج ۲ صفحہ ۱۳۳
۶۔پچھنے لگوانا
۷۔ابن۔ج ا صفحہ ۱۷۶
۸۔شق۔ج ا۔صفحہ ۳۳ و ۲
۹۔تذج ۳۔صفحہ ۱۵۱
۱۰۔تذج ۴۔صفحہ ۴۴۔
۱۱۔ابن ج ا۔صفحہ ۳۰
۱۲۔ابن ج ا۔صفحہ ۲۶۱
۱۳۔عیون ج ۲ صفحہ ۲
۱۴۔تذ۔ج ۴۔صفحہ ۱۴۰
۱۵۔کشف الظنون ج ۲ صفحہ ۱۴
۱۶۔ابن ج ۲۔صفحہ ۱۳۳
۱۷۔ابن ج ۲ صفحہ ۱۹،۱۷
۱۸۔ابن ج ۲۔صفحہ ۴۱۶
۱۹۔تذج ا صفحہ ۲۸۹
۲۰۔تذج:صفحہ ۲۸ ج ۲۔صفحہ ۲ و ۱۵۶ و ۱۷۴ و ۱۱۴
۲۱۔تذج۔صفحہ ۲۱۹
۲۲۔تذ۔ج ۲ صفحہ ۱۵۵
۲۳۔تذج صفحہ ۱۹۵
۲۴۔تذج ۳۔صفحہ ۱۹۴
۲۵۔بستان صفحہ ۱۲۸
۲۶۔تذج ۳۔صفحہ ۹
۲۷۔تذج ۲۔صفحہ ۲۱۶
۲۸۔تذ۔ج ا صفحہ ۲۹۰۔۳۶۔۳۶۴
۲۹۔تذج ۲ صفحہ ۱۹۶۔۲۶۲۔۴۱۰
۳۰۔مقدمہ صفحہ ۵۸۰
۳۱۔ابن ج ۲ صفحہ ۲۲۸
۳۲۔غالباً بغداد کا پل جو دجلے پر تھا
۳۳۔تذج ا۔صفحہ ۳۶۱
۳۴۔عیون۔ج ا۔صفحہ ۲۲۱
۳۵۔ابن ج ۲۔صفحہ ۱۶۱
۳۶۔تذ۔ج ۲۔صفحہ ۲۱۴
۳۷۔تذ۔ج ۳۔صفحہ ۲۹۴
۳۸۔تذ۔ج ۳ صفحہ ۲۶۴
۳۹۔تذج ۴۔صفحہ ۱۲۲

☆اشکر ربك علی نعمة الدین والعقل والعافیة والستر والسمع والبصر والرزق والذریة وغیرها.☆